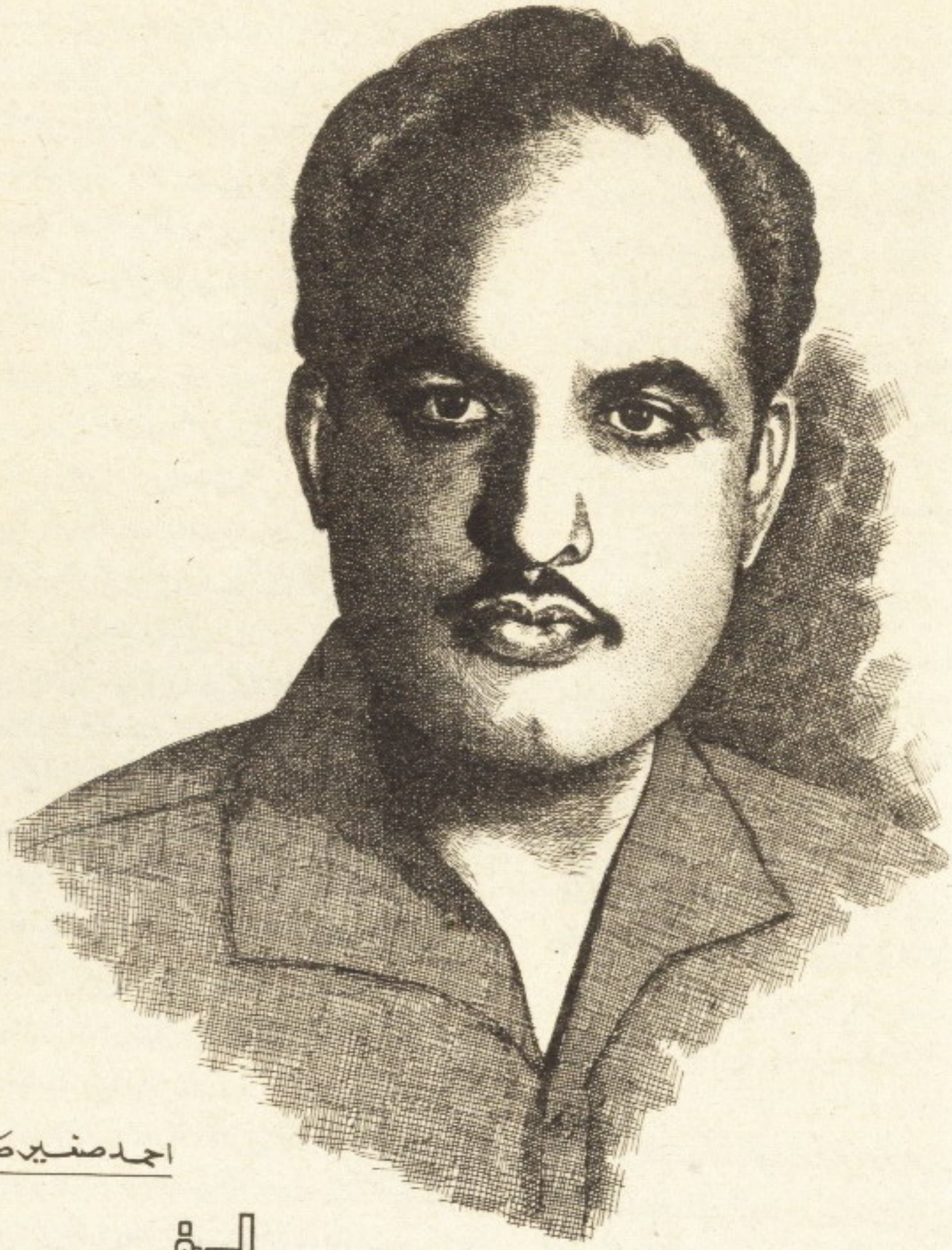

احمد صغیر صدیقی

شخصیت اور فن

ابنِ صفی بی۔ اے، اپنے دور کے مقبول ترین ناول نگار تھے۔ آج بھی اُن کے ناول اشتیاق سے پڑھے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اُردو ادب کی کیا خدمت کی ہے؟ اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اُن کے ناول پڑھنے کے شوق میں نہ جانے کتنے افراد نے اُردو لکھنی پڑھنی سیکھی تھی۔ تاہم آپ کو یہ سُن کر ضرور رنج ہوگا کہ اُردو کی کئی درسی کتابوں میں موجودہ اور گزشتہ ناول نگاروں کے جو نام دیے گئے ہیں، اُن میں ابنِ صفی کا نام کہیں موجود نہیں۔ یہ ایک المیہ ہے۔ حالانکہ اُنھیں ایشیا کے عظیم ناول نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے اور اُن کی بڑائی کا اعتراف، برطانیہ کی "کوئن آف کرائم" اگاتھا کرسٹی تک نے کیا ہے۔

ابنِ صفی پر قلم اُٹھاتے ہُوئے مجھ جیسے ہیچ مدان کو خاصا ڈر

لگ رہا ہے کہ اُن کا حق ادا کرنا، ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں... پھر بھی اُن کے ایک عقیدت مند کی حیثیت سے میں یہ کوشش ضرور کروں گا، خصوصاً ایسے وقت میں، جبکہ ہمارے بڑے بڑے ناقدینِ فن اِدھر سے بے پروائی برت رہے ہیں، میں اسے ایک فریضہ سمجھتا ہوں۔ گو کہ میں جانتا ہوں کہ اُس فن کار کے لیے یہ چھوٹا سا مضمون کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اُن پر تو ایک ضخیم کتاب بھی لکھی جائے تو وہ بھی شاید اس لائق نہ ہوگی کہ اُن کی شخصیت اور فن کو پوری طرح سمیٹ سکے۔

ناول اصطلاحاً دراصل اُن قصّوں کو کہا جاتا ہے جن میں داستانوں کی طرح فرضی واقعات پیش کرنے کی بجائے انسانی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور معاملات کو دلچسپ انداز میں پیش کیا جائے۔ اس میں دلچسپی، پلاٹ، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری وغیرہ کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔

ناول کو معیاری بنانے کے سلسلے میں واقعاتی مطابقت میں ماہرانہ سلیقے کا مظاہرہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہاں ابنِ صفی کا فن واضح طور پر اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ دیگر ناولوں کا معاملہ خاصا آسان ہوتا ہے لیکن جاسُوسی نگاروں کے لیے یہ مرحلہ بے حد مشکل کہا جاسکتا ہے کیونکہ جاسُوسی ناول میں پلاٹ، ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتا ہے۔ پلاٹ پر گرفت نہ ہو تو جاسُوسی ناول بے ہنگم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں ریاضی جیسی تیکنک ہوتی ہے ... کہانی بھُول بھلیّوں کی طرح ہوتی ہے، اس کے اختتام پر قاری کے لیے وضاحت سے ہر پُراسرار واقعے کی توضیح کرنی پڑتی ہے ناول نگار کی ذرا سی کوتاہی اُسے قاری کی نگاہ میں مضحکہ خیز کر دیتی ہے... اور اس کی بنائی ہُوئی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آسکتی ہے ... جاسُوسی ناول نگاری خالصتاً ایک "بالغ" کام ہوتا ہے اور اس میں "بچپنے" کو بالکل معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ابنِ صفی نے کوئی تین سو کے قریب ناول لکھے ہیں۔ اُن کے پلاٹ ششدر کر دینے والے کہے جاسکتے ہیں اور جس انداز سے اُن کا اختتام اُنھوں نے کیا ہے، وہ اُنہی کا خاصہ ہے۔

ایک معیاری ناول کے اجزائے ترکیبی میں دوسرا نمبر، کردار نگاری کا مقام ہے۔ ناول میں جن افراد کا ذکر آتا ہے، وہ ناول کے کردار کہلاتے ہیں۔ ایک کامیاب ناول وہ ہوتا ہے جس کے کردار عام انسانوں جیسی خصُوصیات رکھتے ہوں، کردار کو پڑھتے وقت وہ ہمیں زندہ لگتے ہوں، اُن پر پیار بھی آتا ہو اور غصّہ بھی۔ گویا اچھا ناول نگار جانتا ہے کہ اُسے کرداروں کی عکّاسی کس طرح کرنی ہے ابنِ صفی کو اس معاملے میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اُن کے تخلیق کردہ چند کردار اُس وقت تک فراموش نہیں کیے جاسکتے، جب تک اُردو زبان زندہ ہے۔ جنھوں نے اُن کے تراشے ہُوئے کردار فریدی، حمید، عمران، انور، رشیدہ اور قاسم وغیرہ کو پڑھا ہے، اُن سے پُوچھیے، وہ انھیں زندہ افراد کی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ابنِ صفی نے انھیں درجہ بدرجہ پینٹ کیا ہے۔ فریدی اور عمران دو ایسے کردار ہیں جو جُرأت، ذہانت، اچھائی، علم اور کردار کے پیکر ہیں۔ انھیں یک بہ یک ہمارے اُوپر مسلّط کرنے کی بجائے اُنھوں نے بہ آہستگی اُن کے اندر خوبیاں اُبھاری ہیں، تین سو ناولوں میں بڑی آہستگی سے انھیں پختہ کیا ہے۔ اُسی طرح جیسے زندگی میں کسی جان دار پودے کی نشوونما ہوتی ہے اور پھر وہ ایک تن آور درخت بنتا ہے۔

"زمین کے بادل" نامی ناول میں محض اس بنا پر فریدی کو عمران پر برتری مل جاتی ہے کہ وہ دس منٹ تک اپنی سانسیں روک سکتا ہے اور زہریلی گیس سے بے ہوش نہیں ہوتا۔ بعد میں عمران کا ساتھی صفدر، اُسے اس کا حوالہ دے کر چڑاتا ہے تو عمران سنجیدہ ہو کر کہتا ہے کہ بے شک، اُس نے سانس روکنے پر پہلے توجّہ نہیں دی تھی لیکن اب وہ دس منٹ سے بھی زیادہ دیر تک سانس روک سکتا ہے۔ یہاں ان سطور سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابنِ صفی نے اپنے کرداروں کی نشوونما کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا تھا... بعض اوقات اُن کے یہ دونوں کردار، مافوق الفطرت سے لگتے ہیں لیکن ابنِ صفی جانتے تھے کہ کس طرح اُن کی صفات کو مستقلاً قابلِ قبول بنایا جاسکتا ہے۔

اُن کا ایک کردار انور ہے۔ کرائم رپورٹر انور بے حد ذہین ہے لیکن صرف بے حد ذہین لکھ دینے سے ذہانت کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ ابنِ صفی اس کردار کو پینٹ کرتے وقت اس نکتے سے آگاہ تھے۔ اُن کے ایک ناول میں فریدی، اخباری نمائندوں سے بچ کر گھر سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ اُس کی کوٹھی کو گھیرے ہُوئے ہیں۔ فریدی اپنے ماتحت سے کہتا ہے "ہم اُس راستے سے باہر نکلیں گے، جدھر سے بدرو باہر جاتی ہے۔" لیکن جب وہ اس راستے سے کوٹھی سے باہر آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہاں انور ملک الموت کی طرح اُس کا منتظر ہے۔ وہ ہنس کر حمید کی سمت دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔ "مجھے خطرہ تھا کہ یہ شخص ضرور اِدھر ہی ہوگا۔" آپ نے دیکھا کہ اس چھوٹے سے واقعے کے ذریعے وہ، انور کے کردار کو کس طرح ایک دم اُوپر لے آئے ہیں۔

ابنِ صفی نے صرف نیکی کے پیکروں پر ہی زورِ قلم صرف نہیں کیا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بدی کے نمائندے بھی کافی پُرزور ہوتے ہیں

ازل سے دستور رائج ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بو لہبی!

اُن کے ہاں، لیونارڈ، سنگ ہی، فنچ، تھریسیا، بوغا اور ایسے کئی کردار ملتے ہیں جو بدی کے نمائندے ہیں، جن میں جرأت ہے، ذہانت بھی، علم بھی ہے اور چالاکی بھی۔ وہ فریدی اور عمران سے کسی طرح کم تر نہیں۔ بس، اُن کے درمیان صرف ایک فرق ہے اور وہ فرق ہے نیّت کا۔ اُن کے ناولوں میں ان کرداروں کی باہمی آویزش، ہماری اس دُنیا میں پائی جانے والی آویزش کی منہ بولتی تصویر ہے جس میں کبھی حق، باطل پر قابو پالیتا ہے اور کبھی باطل حق پر... لیکن اُن کے لکھنے کا کمال یہ ہے کہ خیر کے نمائندے کبھی مایوسیوں سے دوچار نہیں ہوتے۔ وہ ایک شکست کے بعد، دوسری بار پھر یلغار کرتے ہیں... اور ایک سچّا فن کار کر بھی کیا سکتا ہے۔ اُن کے ہاں جو کچھ ہے، سچ ہے... جھوٹ اور ملمّع نہیں نہیں۔

اس قدر جزئیات سے اُنھوں نے اپنے کرداروں کی تشکیل کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے اُن کے سارے ناول پڑھے ہیں، ان کرداروں سے یوں واقف ہیں جیسے وہ اُن کے ساتھ رہتے رہے ہوں۔ اُن کے حُلیے تک کو اُنھوں نے یوں لکھا ہے کہ اُن کے قاری کے ذہن میں مرتسم ہو چکے ہیں، حتیٰ کہ اُن کے الفاظ تک کا انتخاب کرتے وقت وہ لحاظ رکھتے ہیں کہ یہ کردار کس طرح کے الفاظ بولتا ہے اور کس طرح کے نہیں بولتا۔ کسی شخص کے باطن کی غمّازی کے لیے ابنِ صفی جو جملے لکھتے ہیں، اُنھیں پڑھتے وقت یوں احساس ہوتا ہے جیسے آپ کے سامنے ایک چہرہ ہے اور آپ اس کے راستے، اُس شخص کے باطن میں اُتر رہے ہیں۔ دیکھئے، ایک کردار کا حُلیہ کیسا لکھا ہے۔

"دفعتہً اُس کی نظر ایک طویل قامت آدمی پر پڑی، جس کے چہرے پر گھنی داڑھی تھی اور سر کے بال بڑے اور اُلجھے ہوئے تھے، آنکھیں سُرخ تھیں۔ اُس کے جسم پر بھی شکرالیوں جیسا لباس تھا... لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں، وہ شکرالیوں سے بہت زیادہ مختلف معلوم ہو رہا تھا۔"

کردار نگاری سے گزر کر، اب ہم ناول کی ایک اور خوبی... منظر نگاری پر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں صرف مناظرِ فطرت کی عکاسی ہی شامل نہیں، بلکہ کرداروں کے اخلاق و عادات کی عکاسی بھی شامل ہے۔ میں نے پہلے ہی لکھا ہے کہ ابنِ صفی اپنے ناولوں میں اپنے کرداروں کو اس طرح پینٹ کرتے ہیں کہ پڑھنے والے اُن سے ایک زندہ انسان کی طرح مانوس ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہاں اُن کی منظر نگاری کا ایک نمونہ بھی دیکھیں۔

"حالانکہ ابھی سُورج غروب نہیں ہوا تھا مگر اُنھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ دُنیا کا آخری دن ہو، زمین کسی سیارے سے ٹکرا گئی ہو، سُورج کے پرخچے اُڑ گئے ہوں۔ شکرالی وحشی بھی گھوڑوں پر دم بخود بیٹھے، اپنی اُداس رہنے والی آنکھوں سے، کچلی ہوئی لاشوں کو دیکھ رہے تھے اور پھر ہوا ایک بہ یک تیز ہو گئی..." (درندوں کی بستی)

یا یہ نمونہ دیکھیں۔

"موی شمعوں کی ٹھنڈی روشنی مہاتما بدھ کی پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ، اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں اُتری جا رہی تھی۔ وہ یہ بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ اُسے اپنے انجام کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اُس کی رُوح، اب سے ہزاروں سال پہلے کی دُنیا میں بھٹکنے لگی تھی اور اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تنہا ہو، جیسے وہ بھی موی شمعوں کی طرح پگھلا جا رہا ہو۔ تنہائی، ہلکی سُرخ روشنی، بدھ کا ملکوتی تبسّم، ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہ تھا۔" (برف کے بھوت)

ناول کے اہم اجزائے ترکیبی میں مکالمہ نگاری کا اُونچا مقام ہے۔ اچھے مکالمے کی خوبی یہ ہے کہ اُس سے بولنے والے کی صحیح تصویر سامنے آئے۔ ناول کے مکالمے موزوں اور برمحل نہ ہوں تو مزہ ختم ہو جاتا ہے۔ اِن میں تصنّع نہیں ہونا چاہیئے۔ ابنِ صفی کے ناولوں میں مکالموں کی جو خوبی ہے، وہ شاذ ہی کسی اور ناول نگار کے ہاں ملتی ہے۔ کمال یہ ہوتا ہے کہ نام بتائے بغیر قاری سمجھ جاتا ہے کہ یہ الفاظ کس کردار کے مُنہ سے نکلے ہوں گے۔ ابنِ صفی نے جو ناول لکھے ہیں، وہ تفریحی نُقطۂ نظر سے لکھتے ہیں۔ اُن کے جاسُوسی ناولوں میں مزاح کا عنصر ایسا ہے جو پہلے لکھے گئے جاسُوسی ناولوں میں ناپید تھا۔ یہ اُن کی نکالی ہوئی ڈگر تھی مگر مجال ہے کہ اُن کا مزاح کہیں معیار سے گر جائے۔ جو برجستگی اور بذلہ سنجی اُن کے ہاں ہے، وہ کسی اور کے ہاں نہیں ملتی۔ اُن کا کردار عمران، عمل اور ذہانت کا پُتلا ہے مگر وہ عموماً "بے وقوف" بن کر بے وقوف بناتا ہے۔ ذرا اُس کے چند مکالمے سُنیں۔

"گلزار نام تھا۔"

"کیا داڑھی گلاب کے پھول کی شکل کی تھی؟"

"نہیں تو۔"

"ابے، تو پھر گلزار کیوں نام تھا؟" عمران دہاڑا۔

▼

"سچ بتاؤ، کیا تم بھی کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو؟"

"دُنیا کا ہر بے وقوف آدمی بجائے خود ایک بڑا گروہ ہے۔"
یا ذرا مندرجہ ذیل سطور دیکھیں۔
"کیا تم جانتے ہو کہ ہم کون ہیں اور ہمارے پیشوں سے بھی واقف ہو؟"

"ہاں..." احمق ہنس پڑا۔ "یہ گدھا کیا جانے، میں جانتا ہوں۔ تم انٹلکچوئل ہو۔ بھلا تمہیں لڑائی بھڑائی سے کیا کام۔ اس کے لیے تو تم غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو استعمال کرتے ہو۔ تمہارا کام تو... کافی ہاؤسوں، باروں اور ریستورانوں کی میزوں تک محدود رہتا ہے۔"

ابنِ صفی نے ایک کردار، قاسم کا بھی تراشا ہے۔ یہ ایک گرانڈیل احمق ہے، بے حد عالدار لیکن غصّے میں خبط الحواس ہو جاتا ہے۔ ذرا ایک سچویشن دیکھیں۔ قاسم، بھوتوں سے خوف زدہ ہے۔ گڑھے کی تہ میں اگڑوں بیٹھا، گھٹنوں میں سر دیے ایک سفلی عمل دُہرا رہا ہے۔ حمید کو ہنسی آجاتی ہے۔ اب سُنیے۔

"او، لمڈھینگ!" حمید نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہائیں... غغ... غمید بھائی!" قاسم اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے شانے گڑھے سے باہر نکلے ہُوئے تھے... پھر اُس نے لالٹین کی روشنی میں گڑھے کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"لاحول ولاقوۃ... میں سمجھا تھا، شاید بوتل میں بند ہوں۔" وہ گڑھے کے اُوپر دونوں ہاتھ جما کر اُوپر آگیا۔ "مگر، حمید بھائی... ہم کہاں ہیں؟"

"فریدی صاحب کی سُسرال میں... مگر خُدارا، مجھ سے یہ نہ پُوچھنا کہ اُن کی شادی کب اور کہاں ہُوئی تھی۔"

"کیا رات ہو گئی؟" قاسم نے جماہی لے کر پوچھا۔

"رات کے بچّے! ہم کسی غار میں بند ہیں۔"

ابنِ صفی نے اِنہی جاسُوسی ناولوں میں اپنے اہم کرداروں کی زبان سے جو باتیں کہلوائی ہیں، اُنھیں اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ اپنی نوعیّت میں ایک پورے فلسفۂ اخلاق کی تشکیل نظر آتی ہیں۔ معاشرے کی بُرائیوں پر اُن کے قلم کا طنز کسی کاٹ دار نشتر جیسا ہوتا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے ادب کے جغادری ٹھیکے دار اُن سے اس طرح سرسری گزر جائیں، جیسے اندھا آئینے کے سامنے سے گزر جاتا ہے۔ ذرا ان جُملوں کو پڑھیں۔

"اگر تم میری اسٹینو ہوتیں تو میں ساری دُنیا کو شارٹ ہینڈ میں تبدیل کر دیتا۔"

"سنجیدگی بجائے خود ایک بڑی حماقت ہے۔ تم خواہ کتنی شدّت سے سنجیدہ ہو جاؤ، زمین و آسمان اپنی جگہ پر رہیں گے۔"

"جہاں حکمتِ عملی سے کام چلتا ہو، وہاں طاقت نہیں صرف کرنی چاہیئے بلکہ اُسے کسی دوسرے موقع کے لیے احتیاط سے رکھنا چاہیئے۔"

"چلیّت ایک آفاقی حقیقت ہے۔ ہم سب چلّی ہیں لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ خود کو دوسروں کی اس بھیڑ سے الگ رکھ کر، تفریح کے لیے دوسرے چلّیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

ابنِ صفی کی بزمِ آرائیوں پر سیر حاصل تبصرے کے لیے ایک عُمر چاہیئے۔ زندگی نے اُنھیں مُہلت دی ہوتی تو ابھی اُن کا ذہن ہمیں کہانیوں کی نئی جہتوں سے آشنا کرتا۔ اُن کی کتابیں پاک و ہند کے طول و عرض میں پڑھی جاتی تھیں اور وہ غالباً واحد مصنف تھے جنھوں نے صرف اور صرف کتابیں لکھ کر اپنی روزی کمائی۔ اس خطّے میں جہاں قلم کار کوئی اور نوکری نہ کرے تو بھوکا مر جائے، کیا یہ ایک کام بجائے خود ایک کارنامہ نہ تھا۔ افسوس ہوتا ہے، یہ دیکھ کر کہ ہزار، پانچ سو کی تعداد میں چھپنے والے ناولوں کے مصنفین کو بہت بڑا ادیب قرار دے دیا جاتا ہے اور ایسے مقبول مصنف کا کوئی تذکرہ اُن تذکروں میں نہیں ملتا جو نہ صرف مقبولیّت کے لحاظ سے اُن سب سے اُوپر تھا بلکہ جس کا فن بھی کسی طرح دوسروں سے کم تر نہ تھا۔

یہاں تک تو ہُوئی اُن کے جاسُوسی ناولوں کی بات لیکن ابنِ صفی کی شخصیّت یک رُخی ہوتی تو بات ختم ہو سکتی تھی، وہ تو ایک ہمہ جہت شخص تھے۔ اُن کی مزاح نگاری پر بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اسی طرح وہ شعر بھی کہتے تھے، اچھے شاعر تھے۔ اُنھوں نے اپنی توجّہ ان دونوں اصناف سے ہٹا رکھی تھی۔ اُن پر توجّہ دیتے تو شاید وہ ان میدانوں میں بھی ایک سنگِ میل قرار دیے جاتے۔ میں اپنا یہ مضمون، اُن کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن، اسرار!
جو کہہ نہ پائے، نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی